بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لقد كان في قصصهم عبرة لاولي الالباب

اکابر علماء دیوبند

اتباع شریعت کی روشنی میں

مصنف

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ

ناشر

ملک سنز پبلشرز کارخانہ بازار فیصل آباد

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ

اکابر علماءِ دیوبند

اتباعِ شریعت کی روشنی میں

یعنی ان حضرات کے اتباعِ شریعت، شغفِ نماز، اہتمامِ رمضان، انفاق فی سبیل اللہ، شوقِ حرمین شریفین، احیاءِ سنت اور سب سے بڑھ کر زہد و تقویٰ اور علم و عمل کی جامعیت کے مختصر واقعات

از

عارف باللہ برکۃ العصر زبدۃ السلف حجۃ الخلف
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی
ثم مہاجر مدنی دامت برکاتہم

ملک سنز بک سیلرز اینڈ پبلشرز
کارخانہ بازار فیصل آباد

تعداد اشاعت ———— ۱۰۰۰۰

تاریخ اشاعت ———— ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ

مطبوعہ ———— القادر پرنٹنگ پریس، کراچی

باہتمام :- مولانا محمد بنوری، جامعۃ العلوم اسلامیہ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

ملنے کے پتے :-

پاکستان

مکتبہ بنوریہ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی ۵

بھارت

کتب خانہ یحیوی، متصل مظاہر علوم، سہارنپور

کتب خانہ اشاعت العلوم، محلہ مفتی، سہارنپور

سعودی عرب

مکتبہ امدادیہ، باب عمرۃ، مکۃ المکرمۃ

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

عزیزم مولوی محمد شاہد سلّمہٗ بعد سلام مسنون، کئی سال ہوئے تم نے مجھ پر اصرار کیا تھا کہ میں اس اعتراض کا جواب لکھوں کہ ان علماءِ دیوبند کے درمیان اپنے اکابر کے ساتھ جو عقیدت ہے وہ کہیں دوسری جگہ نہیں پائی جاتی ان علماء کے اکابر کے بظاہر خلافِ شرع اگر کوئی کچھ لکھے تو یہ تکفیر تک پہنچا دیتے ہیں اور جب یہ معلوم ہو کہ یہ الفاظ تو انہیں کے اکابر کے ہیں تو اس کی تاویلیں کرتے پھرتے ہیں۔ میں نے تمہارے اس اعتراض کو باوجود تمہارے اصرار کے توجہ کے قابل نہیں سمجھا اور اپنے مشاغل کو ان فضولیات کی وجہ سے چھوڑنا نہیں چاہا۔ میں نے اس قسم کا فقرہ تو بہت بچپن میں جب میری عمر غالباً دس برس کی تھی حضرت قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ اعلیٰ اللہ مراتبہٗ کے انتقال پر جو حضرت شیخ الہند نے مرثیہ لکھا تھا اور میرے والد صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ نے کئی ہزار چھپوایا تھا اور خوب مفت بانٹا تھا مجھے بھی قریب قریب سب یاد تھا اور خوب مزے لے کر پڑھا کرتا تھا اور میرے کان میں یہ پڑا کرتا تھا کہ دیکھو اگر یہ شعر ہم کہیں تو ہم کافر ہو جائیں مگر چونکہ شیخ الہند نے کہہ دیا اس لئے کوئی اس پر لب کشائی نہیں کرتا۔ اور میں ان فقروں کو سن کر یوں دل کو سمجھا لیا کرتا تھا کہ یہ جاہل آدمی ہیں حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ کی جوتوں کی خاک بھی نہیں ہو سکتے یہ حضرت کے کلام کو کیا سمجھیں۔ اس کے بعد جب میری

عمر تقریباً ۱۲ برس کی تھی اور والد صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے ساتھ سہارنپور آیا تو میرے والد صاحب کا معمول یہ تھا کہ مدرسہ کے وقت کے علاوہ جو وقت گذرتا وہ موچیوں کی مسجد میں گذارا کرتے تھے، البتہ آرام گھر پر کیا کرتے تھے۔ اُس زمانہ کے طالب علم قابل رشک تھے، وہ اُستادوں کی خدمت کو عبادت سمجھا کرتے تھے، کوئی خدمت کسی اُستاد کی ہو جائے تو اُن کے لئے موجب فخر تھی۔ آج کل کے روشن خیالوں کی طرح سے نہیں تھے جو یوں سمجھتے ہیں کہ ان اساتذہ کو میری بدولت ہی تنخواہیں اور روٹیاں مل رہی ہیں۔ وہ گرمی کا زمانہ تھا۔ ایک مرتبہ میرے والد صاحب عصر کے بعد موچیوں کی مسجد میں کنوئیں کے قریب تشریف فرما تھے اور دو تین ولایتی طالب علم کنوئیں پر کھڑے ہوئے دمادم کنوئیں سے ڈول کھینچ کر والد صاحب پر ڈال رہے تھے۔ ایک ختم نہیں ہوتا تھا کہ دوسرا شروع ہو جاتا تھا۔ مولوی امداد کے والد حافظ مقبول مرحوم بھی میرے والد صاحب کے معتقدین میں تھے اور وہ بھی اکثر عصر کے بعد وہاں چلے جایا کرتے تھے، وہ کہنے لگے حضرت جی! یہ اسراف نہیں۔ میرے والد صاحب نے فرمایا تمہارے لئے اسراف ہے میرے لئے نہیں۔ انہوں نے فرمایا یہ کیا بات؟ والد صاحب نے فرمایا تو جاہل اور میں مولوی۔ حافظ جی نے کہا یہ تو وہی بات ہوگئی جو لوگ کہیں کہ یہ مولوی اپنے واسطے ہر چیز کو جائز کرلیں، میرے والد صاحب نے کہا کہ مولوی تو اس فقرہ پر خواہ مخواہ شرمندہ ہوں۔ وہی کام تم اگر کرو تو ناواقفیت کی وجہ سے گناہ ہوگا اور مولوی اسی کام کو جائز کر کے کرے گا۔ انہوں نے وجہ پوچھی تو میرے ابا جان نے فرمایا کہ عربی پڑھو۔ یہ تو تمہیں بھی یاد ہو کہ میرے والد صاحب کا عام مقولہ تھا

کہ یہ مشغول لوگ بالخصوص وکلا، یا انگریزی اسکولوں کے ماسٹر مجھے ۲، ۲ گھنٹے دیں تو میں انہیں مولوی بنادوں، اور یہ تفریحی فقرہ نہیں تھا بلکہ ان کے فضائل کے پڑھے ہوئے کئی وکلا، اس زمانہ کے اس سے بھی کم وقت میں اچھے خاصے مولوی ہو گئے۔ وہ ۲، ۲ گھنٹے مسلسل نہیں مانگتے تھے بلکہ ہر اتوار کو دو گھنٹے مانگتے تھے۔ اور ان دو گھنٹوں میں اتنا کام ان کے سپرد کر دیتے تھے کہ اگلے اتوار تک اس کو یاد کر کے لاؤ۔ اس زمانہ کے مشہور وکیل مولوی شہاب الدین مولوی منفعت علی صاحب کو تو شاید تم نے بھی سُنا ہو، سہارنپور کے لیگ کے صدر حضرت تھانویؒ کے مجازِ صحبت، میرے مخلص دوست۔ اب تو وہ بھی پاکستان جانے کے بعد مرحوم ہو چکے۔ بیچ میں بات آگئی، مگر اس کے نظائر بہت تھے اور مولوی شبیر علی صاحب مرحوم نے 'اکمال الشیم' کے مقدمہ میں جو خط لکھا ہے اس میں اس طرزِ تعلیم کا بھی ذکر کیا ہے۔ حافظ مقبول اصرار کرتے رہے اور میرے والد صاحب اصرار کرتے رہے کہ عربی پڑھو مولوی ہو جاؤ گے۔ اُس وقت تو یہ اسراف والا مسئلہ میری بھی سمجھ میں نہیں آیا، مگر جب مشکوٰۃ شریف پڑھی اور باب الربوا میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں ذکر کیا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں برنی کھجوریں لائے جو بہت عمدہ ہوتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کہاں سے لائے؟ اُنہوں نے فرمایا میرے پاس گھٹیا کھجوریں تھیں، اس میں سے دو صاع (ایک پیمانہ ہے) کے بدلہ میں یہ ایک صاع بڑھیا خرید لیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہائے ہائے یہ تو عین سود ہو گیا" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایسا کبھی نہ کیجیو، اگر ایسا کرنا چاہو تو ردی کھجوروں کو داموں سے

فروخت کردو اور ان داموں سے عمدہ کھجوریں خریدو۔" اُس وقت مجھے موچیوں کی مسجد کے ڈول یاد آئے کہ مولوی اور جاہل میں یہ فرق ہے کہ دو صاع ردی تمر کے بدلہ میں ایک صاع عمدہ کھجور خریدنی یقیناً عین ربوا ہے، لیکن جو ترکیب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی کہ ان ردی کھجوروں کو مثلاً ایک روپیہ میں بیچ دو اور اسی ایک روپیہ سے عمدہ کھجوریں ان سے آدھی خریدلو۔ بات تو ایک ہی رہی کہ جاہل آدمی اگر دو صاع گھٹیا کھجور کے بدلہ میں ایک صاع خریدلیگا تو عین ربوا ہوگا اور مولوی گھٹیا دو صاع کھجوروں کو ایک روپیہ میں بیچ کر اس ایک روپیہ کی عمدہ کھجوریں ایک صاع خریدلے تو یہ ربوا نہیں رہا۔ دیکھنے میں تو بات ایک ہی رہی کہ دو صاع گھٹیا کھجوروں کے بدلہ میں ایک صاع عمدہ مل گئیں مگر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ترکیب بتلادی اُس پر مولوی ان گھٹیا کھجوروں کو ایک روپیہ میں بیچ کر عمدہ خریدلے تو وہ جائز۔ اور اُسی وقت سے یہ مضمون خوب ذہن نشین ہوگیا کہ ایک بات عالم کرے تو جائز اور جاہل کرے تو ناجائز۔ ہمارے مدرسہ کے مہتمم اول حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحب نور اللہ مرقدہٗ بہت ہی بزرگ، بہت ہی متقی و پرہیزگار تھے۔ شاید میری آپ بیتی میں کہیں تذکرہ آبھی گیا ہو۔ وہ مہتمم بھی تھے اور حدیث کے اسباق بھی ایک دو اُن کے پاس ہوتے تھے، اور مفتی بھی تھے کہ دارالافتاء مدرسہ میں مستقل اُس وقت تک قائم نہیں ہوا تھا، اور محصلِ چندۂ شہر بھی تھے کہ جب اپنے مکان سے مدرسہ تشریف لاتے اور راستہ میں کسی ایسے شخص کی دکان یا مکان پڑتا جس کے متعلق محصل چندہ نے مہتمم صاحب سے یہ شکایت کی ہو کہ فلاں کے پاس گیا تھا مگر چندہ نہیں دیا تو مہتمم صاحب اپنے مکان سے آتے ہوئے

اس کے مکان یا دکان پر ہوکر آتے کہ اے بھائی تمہارا چندہ نہیں آیا۔ وہ بیچارہ صورت دیکھکر کھڑا ہوجاتا اور اُسی دن پہنچا دیتا۔ حضرت مہتمم صاحب کا معمول یہ تھا کہ مدرسہ کے چندہ میں جو زیورات آتے اُن کو کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت نہیں کراتے تھے، بلکہ خود بہ نفسِ نفیس گھر آتے یا جاتے فروخت کرکے لایا کرتے اور ہیرا نام ایک بہت بڑا صراف تھا اُسی سے معاملہ ہمیشہ کیا کرتے تھے اور وہ بھی مہتمم صاحب کا اتنا معتقد ہوگیا تھا کہ بہت رعایت مہتمم صاحب کی کیا کرتا تھا۔ جب طلائی زیور فروخت کرتے تو اوّل اُس صراف سے چاندی کے روپے قرض لیا کرتے اور اس سے خرید و فروخت کرکے پھر اُس کے روپے قرض کے واپس کرکے چلے آتے۔ وہ بہت غور سے دیکھا کرتا تھا کہ یہ کیا ہورہا ہے، اور جب چاندی کے زیور کی خرید و فروخت ہوتی تو اس سے پہلے اشرفیاں قرض لیا کرتے اور اس سے معاملہ کرنے کے بعد پھر واپس کردیا کرتے۔ وہ پوچھتا مولانا صاحب! اس ہیر پھیر میں کیا فائدہ ہوا؟ بات تو ایک ہی رہی۔ تو حضرت مہتمم صاحب اُس کو سمجھایا کرتے کہ ہمارے مذہب میں چاندی سونے کے فروخت کرنے میں خاص طریقہ ہے اور اُسے سمجھاتے۔ وہ صراف بھی بیع صرف کے مسئلوں میں اتنا ماہر ہوگیا تھا کہ عام لوگوں کو تو نہیں مگر جب کوئی مولوی قسم کا آدمی اُس کے یہاں خرید و فروخت کے لئے جاتا تو اوّل تو وہ صراف عام طریقے بیچ دیتا اور جب وہ مولانا صاحب اُٹھتے تو وہ صراف کہتا مولانا صاحب! ذرا تشریف رکھئے، جس طرح خریدا ہے یہ آپ کے مذہب میں ناجائز ہے۔ اکثر مولوی تو یہ لفظ سُن کر چکرلاتے، اور بعضے جوشیلے اُس کو کہتے کہ ہمارے مذہب ہم واقف ہیں یا تو۔ بہت بڑھا تھا، وہ کہتا مولانا صاحب پہلے تشریف

رکھئے، خفا نہ ہوئیے پہلے میری بات سُن لیجئے۔ پھر اُسے سمجھاتا کہ آپ کے مذہب میں اس طرح جائز ہے تو وہ بھی سوچ میں پڑجاتا اس لئے کہ اس مسئلہ میں وہ مولوی صاحب جاہل ہوتے تھے اور وہ مشرک مسئلہ کا واقف تھا۔ منتہیٰ کے اعتبار سے تو بات ایک ہی رہتی، لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ، کے کھجوروں کی طرح سے ذرا سے تغیر سے وہ ناجائز معاملہ جائز بن جاتا۔ حافظ ابن قیم نے "مفتاح دار السعادۃ" (ص ۱۷۶/۱) میں لکھا ہے کہ قواعد شرع بلکہ قواعد حکمت میں سے بھی یہ ہے کہ جس کے حسنات کثیر اور عظیم ہوں اور اسلام میں اُس کی تاثیر ظاہر ہو تو ایسے شخص سے بہت سی ایسی چیزیں برداشت کی جا سکتی ہیں جو دوسرے سے نہیں برداشت کی جا سکتیں۔ اور اس کی بہت سی ایسی باتیں معاف کی جا سکتی ہیں جو دوسروں سے معاف نہیں کی جا سکتیں۔ کیونکہ گناہ ناپاکی ہے اور پانی جب دو مٹکے کی مقدار میں ہو تو وہ ناپاکی کو برداشت کر لیتا ہے (یعنی ناپاک نہیں ہوتا)۔ بخلاف تھوڑے پانی کے کہ وہ تھوڑی ناپاکی پڑنے سے خود بھی ناپاک ہوجاتا ہے۔ اسی قبیل سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ "تمہیں کیا پتہ کہ اللہ جل شانہ نے اہلِ بدر کو کہدیا ہو کہ جو چاہو کرو میں نے سب معاف کر دیا۔" اور یہی وہ مانع ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس مسلمان کو قتل کرنے سے جس نے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف کفار کی جاسوسی کی تھی۔ اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی بات فرمائی تھی کہ یہ بدر میں شریک تھا۔ تو یہ بات اس کی طرف مشعر ہے کہ سزا کا سبب تو (یہ جاسوسی) قائم ہے لیکن اس کا بدر میں شریک ہونا اس کے اثر کے ترتب سے

مانع ہے تو ان کی یہ عظیم غلطی ان کے حسنات کے مقابلہ میں معاف ہوگئی۔ اسی طرح سے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کے لئے لوگوں کو اُبھارا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بہت بڑا صدقہ دیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے بعد عثمانؓ جو چاہے کریں اُن کو کچھ نقصان نہیں دے سکتا۔ ایسا ہی حال حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ہے کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قذف میں شریک تھے اس کے باوجود اُن کی محبت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہؓ اور آج تک تمام مسلمانوں کے دلوں میں ہے۔ یہ اسی وجہ سے کہ وہ اپنے اشعار کے ذریعہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب حضرت عروۃ بن الزبیرؓ نے حضرت حسانؓ کو بُرا بھلا کہا تھا اُن کی تردید کی تھی اور فرمایا کہ ان کو چھوڑ دو یہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت کیا کرتے تھے۔ اسی کے قریب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دوسری شہادت حضرت امّ المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے کیونکہ ان دونوں کے مابین بھی وہ کشیدگی تھی جو سوکنوں کے درمیان ہوا کرتی ہے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا میں بعض ایسی چیزیں تھیں جن پر ان کا مؤاخذہ ہو سکتا تھا۔ لیکن اس چیز نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے بارے میں انصاف اور تعریف سے نہیں روکا اور فرمایا کہ ازواجِ مطہراتؓ میں سے یہی مجھ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک جو میرا مرتبہ تھا اُس میں مجھ سے مقابلہ کیا کرتی تھیں، اور میں نے کوئی عورت دین میں زینبؓ سے بہتر اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والی اور سہ اُس عمل میں

جو اللہ سے قریب کرے کوشش کرنے والی نہیں دیکھی۔ ہاں ان میں تیزی تھی، مگر جلد ہی ٹھنڈی ہو جایا کرتی تھیں ....

.... تو ہمارے لئے بہتر اور درست ہے کہ ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اُن کے انصاف میں اقتدا کریں اور ان کے تلمیذ حضرت سعید بن المسیبؒ کی اقتدا کریں جنہوں نے ان کے طریقہ کو سمجھا اور ان کے مسلک کو اختصار کر کے قانون جرح و تعدیل کا ایک بند بنا دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ کوئی شریف یا عالم یا مرتبہ والا شخص ایسا نہیں جس کے اندر عیب نہ ہو۔ لیکن بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے عیوب کا ذکر کرنا مناسب نہیں ہوتا لہٰذا جس کی بھلائیاں اُس کی بُرائیوں سے زیادہ ہوں تو اُس کی بُرائیاں اُس کی بھلائیوں کی وجہ سے برداشت کر لی جائیں گی۔ سلف و خلف میں محققین کا یہی طریقہ رہا ہے۔ حتیٰ کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ جیسے متشدد حضرات بھی اولیاء اللہ کے کلام کی تاویل کرتے چلے آئے ہیں۔ اور ان کے فتاویٰ میں بیسیوں جگہ مشہور اکابر صوفیاء کے کلام کی بہت کثرت سے تاویل کی گئی ہے۔ بالخصوص حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی تو تاویل کثرت سے ان کے فتاویٰ میں کی گئی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ بعض شیوخ کے کلام میں ہے کہ محبت ایک آگ ہے جو محبوب کی مُراد کے علاوہ ہر چیز کو جلا دیتی ہے۔ اس سے بعضوں نے یہ غلط معنیٰ نکالے ہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے سب اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہو رہا ہے، تو انہوں نے محبت کا کمال اس کو سمجھا کہ جو ہو رہا ہے سب اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہو رہا ہے اس لئے ہر چیز سے محبت کی جائے چاہے وہ کفر ہو، فسق ہو، گناہ ہو۔ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ حالانکہ اس مقولہ سے مراد صاحبِ

مقولہ کی یہ تھی کہ محبوب کی مُراد سے اللہ تعالیٰ کا وہ ارادہ ہے جو دینی اور شرعی ہو یعنی ہر وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں گویا مقولہ کا مطلب یہ ہوا کہ محبت آگ ہے اور ہر اُس چیز کو جلا دیتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہ ہو۔ اور یہی صحیح معنیٰ ہے کہ محبت کا کمال یہی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں وہی بندہ چاہے {فتاویٰ ص ۱۰/۲۱}

دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ مشائخ حقہ جب اس طرح کے الفاظ کہیں کہ میں اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھتا تو اس سے ان کی مراد یہی ہوتی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ رب کی حیثیت سے کسی کو نہیں دیکھتا، اور خالق اور مدبر اور معبود کی حیثیت سے کسی کو نہیں دیکھتا۔ اور یہ کہ اس کے علاوہ پر جب نظر پڑتی ہے تو نہ اس کی محبت ہوتی ہے نہ اس سے خوف ہوتا ہے۔ کیونکہ آنکھ تو اسی کو دیکھتی ہے جس سے دل لگا ہوا ہو۔ اس قول سے مشائخ کی یہ مُراد ہرگز نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن مخلوقات کو میں دیکھ رہا ہوں یہ رب ہیں یا خالق سمٰوات والارض ہیں۔ کیونکہ یہ بات وہی کہہ سکتا ہے کہ جو انتہائی گمراہی اور فسادِ عقلی و فسادِ اعتقاد تک پہنچا ہوا ہو {فتاویٰ ص ۱۰/۳۲۳}

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں {فتاویٰ ص ۱۰/۳۳۹} کہ فنا کی دوسری قسم یہ ہے کہ ماسوی اللہ کے مشاہدہ سے دل فارغ ہو جائے۔ اسی فنا کی حالت میں بعض دفعہ آدمی سے ایسے کلمات صادر ہو جاتے ہیں جیسے اَنَا الحق یا سُبْحَانی ما اعظم شانی اور ما فی الجبۃ الا اللہ، یعنی نہیں ہے کوئی جبہ میں اللہ کے سوا۔ یہ اس حالت میں پیش آتا ہے

جب مشہود کے شہود سے اور موجود کے وجود سے اور مذکور کے ذکر سے اور معروف کے عرفان سے بھی فنا ہوجاتا ہے اور اس جیسے مقام پر وہ اس بے ہوشی میں ہوتا ہے کہ جہاں تمیز ختم ہو جاتی ہے باوجودیکہ حلاوتِ ایمان موجود ہوتی ہے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ روحہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مخلوق سے فنا ہوجا اور مالک ہی کے حکم سے اپنی خواہشات سے فنا ہوجا، اور اللہ تعالیٰ کے فعل کی وجہ سے اپنے ارادہ سے فنا ہوجا۔ جب یہ ہوجائے گا تو تم اس قابل ہوگے کہ تم اللہ تعالیٰ کے علم کا برتن بن جاؤ۔ شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں اللہ کے حکم سے مراد یہ ہے کہ مخلوق کی عبادت اور اس پر توکل سے فنا ہوکر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اُس کے توکل میں آجا۔ پس مخلوق کی اطاعت نہ کر اللہ تعالیٰ کی معصیت میں نہ ان سے دفع مضرت یا جلب منفعت میں امید متعلق کر اور خواہشات اور ارادہ سے فنا اللہ تعالیٰ کے امر اور فعل کی وجہ سے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کا ہر فعل شرعی حکم کے موافق ہو، خواہشِ نفس کے موافق نہ ہو۔ (فتاوٰی صفحہ [illegible]) پھر اس کی بڑی لمبی تفصیل کی ہے اور بہت سی جگہ فتاوٰی میں صوفیائے محققین اور خاص طور سے شیخ عبدالقادرؒ کے کلام کی توجیہ کی ہے۔ اسی طرح ان کے شاگرد رشید حافظ ابن قیمؒ نے مدارج السالکین شرح منازل السائرین میں مؤلف منازل شیخ الاسلام ہروی صوفی کے کلام کی جگہ جگہ تاویل کی ہے۔ ایک جگہ تو یہاں تک فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابو اسمٰعیل (شیخ الاسلام ہروی) پر رحم کرے کہ انہوں نے زنادقہ کے لئے (اپنے کلام سے) کفر والحاد کا دروازہ کھول دیا جس کی وجہ سے زنادقہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ شیخ اُن کے عقیدہ پر ہیں۔ حالانکہ شیخ ان کے عقیدہ پہ نہیں

ہیں۔ آگے ان کا کلام ذکر کرتے ہیں۔ فنا کے بارے میں کہتے ہیں کہ فنا یہ ہے کہ حق کے علاوہ ہر چیز سے غیبوبت ہوجائے علم کے لحاظ سے بھی اور پھر ماسوٰی کا انکار بھی کرے پھر حقاً بھی الخ۔ اس کی شرح میں حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ ماسوٰی کے انکار سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ وجود سے بالکلیہ معدوم ہوجاتے ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ذہن میں یہ بات راسخ ہوجائے کہ اللہ کے علاوہ ہر چیز باطل ہے حاشا و کلا شیخ الاسلام ہروی اتحاد کے ہرگز قائل نہیں ہیں، بلکہ اس سے بری ہیں چاہے ان کی اس عبارت سے ان کا ایہام ہوتا ہے، بلکہ اس عبارت کا مفہوم ہی یہی ہے۔ پھر شیخ الاسلام کی عبارت کا اور ان کے عقیدہ کو صحیح طور سے بیان کیا ہے (مدارج السالکین صفحہ [illegible])

دوسری جگہ بعض مشائخ کے اس مقولہ کے بارے میں کہ "جس گناہ کو لوگ ہلکا سمجھیں وہ کبیرہ ہے اور جسے لوگ بہت بڑا سمجھیں وہ صغیرہ ہے۔" لکھتے ہیں کہ اس سے اگر یہ مُراد لی جائے کہ کبیرہ و صغیرہ گناہ کا مدار لوگوں کے ذوق پر ہے تو یہ معنی باطل ہے کہ لوگ تو بدنظری کو ہلکا سمجھتے ہیں اور زنا کو بڑا سمجھتے ہیں اور حقیقۃً بھی ایسا ہی ہے۔ البتہ اگر اس سے مراد یہ ہے کہ کسی گناہ کو لوگ اگر لاپرواہی سے ہلکا سمجھیں تو یہ اللہ کے نزدیک کبیرہ ہوجاتا ہے۔ اور اگر اسے خدا کے خوف کی وجہ سے بہت بڑا سمجھیں تو یہی گناہ خوف کی وجہ سے صغیرہ ہوجاتا ہے۔ اور حدیث بھی اسی معنی کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بعض گناہوں کو اپنے علوِ مرتبت اور کمال عنداللہ کی بنا پر موبقات اور مہلکات میں سے سمجھتے تھے اور انہی گناہوں کو بعد میں آنے والے جو اُن سے کم مرتبہ تھے بہت ہلکا سمجھنے لگے (مدارج السالکین صفحہ [illegible])

میرا مقصود ان مضامین کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ جن کا تدین و تقوٰے

اور اتباعِ شریعت محقق ہو ان کے اقوال کی تاویل کرنی پڑتی ہے اور متشدد لوگوں نے بھی کی ہے۔ یہ سمجھنا کہ یہ اپنی جماعت کی حمایت ہے حقیقتِ حال سے ناواقفیت ہے، بلکہ علم سے بھی ناواقفیت ہے۔ ہر شخص کا ایک درجہ ہوتا ہے، ہر کس و ناکس کے کلام کی تاویل نہیں کی جاتی۔ اور یہ اعتقاد اکابرِ دیوبند اعلی اللہ مراتبہم نور اللہ مراقدہم کے متعلق یہ ہے کہ وہ جہابذۂ علوم ہیں، ان کے کلام میں غلطی تو ہو سکتی ہے مگر ان کی غلطی کو پکڑنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ اگر ان کے کلام کو صرف الفاظ لکھ کر کوئی شخص کسی مفتی سے فتویٰ لے لے تو مفتی ظاہر الفاظ پر حکم لگائے گا، مفتی کے ذمہ یہ ضروری نہیں کہ ہر کلام کی تحقیق کرتا پھرے کہ یہ کس کا ہے۔ البتہ جب یہ تحقیق ہو جائے کہ یہ کلام اتنے بڑے شخص کا ہے تو مفتی کے ذمہ بہت ضروری ہے کہ وہ صاحبِ کلام کا حال معلوم کر کے ضرور تاویل کرے۔

ایک حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اللہ جل شانہٗ اپنے بندہ کی توبہ سے اس سے بھی زیادہ مسرور ہوتے ہیں جیسا تم میں سے کوئی آدمی اپنی اونٹنی پر چٹیل جنگل میں جا رہا ہو وہ اونٹنی اپنا مہار چھڑا کر بھاگ جاوے۔ اسی اونٹنی پر اس کے کھانے پینے کا سامان ہو اور وہ آدمی اس اونٹنی کے پکڑنے سے مایوس ہو کر اور اپنی ہلاکت کا خیال کر کے ایک درخت کے پاس آ کر پڑ جائے کہ اب مرنے کے علاوہ تو کچھ رہا نہیں۔ وہ اسی حال میں سوچ میں پڑا تھا کہ یکدم اونٹنی اس کے پاس آ کر کھڑی ہو جائے اور وہ فرطِ خوشی میں اس کا لگام پکڑ کر اور بے اختیار کہنے لگے "یا اللہ تو میرا بندہ اور میں تیرا خدا" خوشی کی بے اختیاری میں یہ بھی اندازہ نہ رہا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ اب تم ہی سوچو اگر کوئی شخص محض ان الفاظ کو لکھ کر استفتاء کرے کہ ایک شخص کہتا ہے کہ "میں تیرا معبود ہوں اور تو میرا بندہ" تو مفتی مجبور ہوگا کہ

اس کے کفر پر فتویٰ لکھے۔ مگر اس حدیثِ پاک میں اس لفظ کو اللہ تعالیٰ کی خوشی کی مثال میں ذکر کیا گیا ہے۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص جس نے کبھی کوئی نیک کام نہیں کیا تھا جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے اپنی اولاد کو جمع کیا اور ان کو وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو جلا دینا اور (پھر اس کو پیس کر) آدھے کو دریا میں بہا دینا اور آدھے کو ہوا میں اڑا دینا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم اگر اللہ تعالیٰ کو مجھ پر قدرت ہو گئی تو ایسا عذاب کریگا جیسا کسی پر نہیں ہوا ہوگا۔ جب وہ مر گیا تو اولاد نے باپ کی وصیت کی تعمیل کر دی۔ اللہ جل شانہٗ نے دریا اور جنگل کو حکم دیا تو دونوں نے ان ذرات کو جمع کر دیا اور جب وہ آدمی بن کر سامنے کھڑا ہو گیا تو اللہ جل شانہٗ نے اس سے پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس نے کہا کہ آپ کے خوف سے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرما دی (مشکوٰۃ ص ۲۰۰) اس نے اللہ تعالیٰ کے خوف سے الفاظ کفریہ کہہ دیئے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرما دی۔ اسی طرح سے جن اکابر کی دیانت، علم و تقویٰ ضرب المثل ہو ان کے کلام میں اگر فرطِ غم یا فرطِ سرور میں اس قسم کے الفاظ آویں تو مفتی تو مجبور ہے کہ وہ کفر پر فتوے دے، مگر جب اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ فلاں اکابر کے کلام میں سے ہے تو ضرور اس کی تاویل کرے گا۔

بچپن میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چرواہے کا قصہ بھی بہت پڑھا، بہت مزہ آیا کرتا تھا۔ مولانا رومؒ نے مثنوی شریف میں بڑی تفصیل سے اس کو لکھا ہے۔ ہمارے بچپن میں تو یہ قصہ الگ چھپا ہوا دو دو پیسے ایک ایک پیسے میں بکا کرتے تھا۔ اور میرے خیال میں یہ قصہ ہر شخص کی زبان پر تھا، اور

مختصر یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک چرواہے کو راستہ میں دیکھا کہ کہہ رہا ہے "اے خدا، اے اللہ آپ کہاں ہیں تاکہ میں آپ کا نوکر ہو جاؤں اور آپ کے موزے سیوؤں اور آپ کے سر میں کنگھی کروں، تو کہاں ہے تاکہ میں تیری خدمتیں کروں، تیرے کپڑوں کو سیوؤں اور بخیہ کروں، تیرے کپڑے دھوؤں اور تیری جوئیں ماروں۔ اور اے محتشم تیرے آگے دودھ لاؤں اور اگر تجھے کوئی بیماری آئے تو میں تیرا اپنوں کی طرح غم خوار ہوں، تیرے ننھے منے ہاتھ چوموں اور تیرے ننھے منے پاؤں دباؤں، اور جب سونے کا وقت آوے تو تیری جگہ کو صاف کروں اگر میں تیرا گھر دیکھ لوں تو ہمیشہ گھی اور دودھ صبح و شام لایا کروں، پنیر اور روغنی روٹیاں اور عمدہ دہی کی مٹکیاں بناؤں اور صبح و شام لایا کروں، اور میری طرف سے کھانا لانا ہو اور تیری طرف سے کھانا ہو۔ اے وہ ذات کہ جس پر میری ساری بکریاں قربان، اور تیری یاد میں میری ہائے ہائے اور شور و غل ہے۔" اس طرح سے وہ چرواہا بے ہودہ کہہ رہا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ "کس سے ہے تیرا خطاب اے فلاں؟" وہ چرواہا بولا "اُس شخص سے کہ جس نے ہمیں پیدا کیا اور یہ زمین و آسمان اس سے ظاہر ہوئے ہیں۔" حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ "ہائے تو احمق ہو گیا، ابھی مسلمان بھی نہیں ہوا تھا کہ کافر ہو گیا۔" یعنی ابھی معرفت اور علم بھی حاصل نہ ہوا تھا کہ تو اس سے پہلے ہی زبان سے ایسے الفاظِ کفریہ نکالنے لگا ہے، ارے یہ کیا بیہودگی ہے؟ اور اپنے منہ میں روئی ٹھونس لے (یعنی ایسی باتیں مت کر) تیرے کفر کی گندگی نے جہاں کو گندہ کر دیا اور تیرے کفر نے دین کے لباسِ ریشمی کو پارہ پارہ کر دیا۔ اگر تو ان باتوں سے حلق کو بند نہ کرے گا تو ایک آگ آوے گی اور مخلوق کو جلاوے گی۔۔۔۔۔۔۔۔" وہ چرواہا

بولا "آپ نے تو میرا منہ سی دیا اور پشیمانی سے میری جان کو جلا دیا۔" مطلب یہ کہ پہلے سے تو مجھے کچھ بھی خبر نہ تھی، محبتِ حق میں سب کچھ کہہ رہا تھا۔ اب جو آپ نے فرمایا تو اب تو کچھ بقدر استعداد معرفتِ حق ہوئی تو اب تو یہ باتیں بے ادبی اور گستاخی معلوم ہوتی ہیں، اس لئے اب تو نہ کچھ کہہ سکتا ہوں اور پہلے کہے پر سخت پشیمان ہوں۔ غرضیکہ کپڑوں کو پھاڑ ڈالا اور ایک گرم آہ کی اور سر بیاباں میں کھا اور چل دیا۔ مطلب یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نصائح سے اُس کے دل میں اور آگ لگ گئی، اس لئے کہ پہلے تو صرف محبت ہی تھی اور اب کچھ معرفت بھی ہوئی، اس لئے بس ایک آہ سرد بھر کر جنگل کو نکل گیا۔ اس کی تو یہ حالت ہوئی اور ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ تم نے ہمارے بندہ کو ہم سے کیوں جدا کر دیا۔ جدا کرنے سے مراد یہ ہے کہ اُس کو جو قرب حاصل تھا اُس سے جدا کر دیا تم تو وصل کرنے کیلئے آئے ہو نہ کہ جدائی ڈالنے کے لئے آئے ہو۔ یعنی آپ تو حق تعالیٰ اور بندہ کے درمیان وصل کرانے کے لئے آئے ہیں، آپ جدائی کیوں ڈالتے ہیں؟ ہر شخص کی ہم نے ایک سیرت رکھی ہے اور ہر کسی کو ہم نے ایک ایک اصطلاح بخشی ہے، اس کے حق میں تو مدح ہے اور وہی بات تمہارے حق میں مذمت ہے۔ اور اس کے حق میں شہد ہے اور تمہارے حق میں زہر ہے۔۔۔۔۔۔۔۔!

غرضیکہ جو مکار ہو گا جیسا کہ آجکل ہوتے ہیں۔ وہ تو تقدیس کرتے ہی نہیں ہیں۔ یہاں ذکر اُن کا ہے جو تقدیس کرتے ہیں۔ تو جو مغلوب الحال ہیں اُن کو اُن کے غلبۂ حال کی حالت پر چھوڑا جائے۔ اور جو ایسے نہیں ہیں اُن کو اُن کی حالت کے مطابق تعلیم و تلقین کی جائے۔ ہم ظاہر کو اور قال کو نہیں دیکھتے بلکہ ہم باطن کو اور حال کو دیکھتے ہیں۔ تو اگر کوئی بہت ہی چرب زبان ہو اور ہماری تقدیس میں لمبے

چوڑے الفاظ لاوے اور دل میں کچھ نہ ہو تو ہم اس سے خوش نہیں ہوتے۔ ہاں اگر دل میں کچھ ہے تو زبان سے اچھی طرح الفاظ کبھی نہ نکلتے ہوں تو وہ حق تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے۔ اے موسیٰ، آداب کے جاننے والے دوسرے ہیں یعنی عارفین کامل اور سوختہ جان دوسرے ہیں یعنی متوسطین اور مغلوب الحال۔ اس لئے اگر مغلوب الحال سے کوئی فعل خلاف ظاہر صادر بھی ہو جاوے تو اس کو معذور رکھنا چاہیئے۔ مگر اس کو سمجھنا بہت بڑے کامل کا کام ہے۔ اور اس کو بھی جب حق تعالیٰ نے بصیرت تام دی ہو تو بعد غور و خوض کے معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا عوام کے لئے ضروری ہے کہ مجذوبوں وغیرہ سے علیٰحدہ رہیں کہ ایسے حضرات خود تو کامل ہوتے ہیں مگر دوسرے کے کام کے نہیں۔

یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس چرواہے کی تلاش میں جنگل میں پھرے، آخر کار وہ مل گیا، جب چرواہے کو دیکھا تو فرمایا کہ بھائی خوشخبری ہو کہ اجازت مل گئی، کوئی آداب وغیرہ مت ڈھونڈ بلکہ جو کچھ تیرا دل تنگ کہے وہی کہہ۔

چرواہے نے سن کر یہ جواب دیا کہ اے موسیٰؑ میں اس حالت سے گذر گیا ہوں اور اب تو میں خون دل میں ملا ہوا ہوں۔ مطلب یہ کہ اب میں مغلوب الحال نہیں آپ کی اس روک ٹوک سے کچھ معرفت حاصل ہو گئی ہے۔ آپ نے ایک تازیانہ ایسا مارا کہ میرا گھوڑا اس سے آگے پہنچ گیا۔ آپ کے دست و بازو پر آفریں ہو۔

قصہ تو بڑا طویل ہے اور بہت پُر لطف اور پُر معانی جس کو کلید مثنوی میں بہت وضاحت سے ذکر کیا گیا۔ میرا مطلب تو اس قصہ کی طرف اشارہ سے

یہ تھا کہ اہل سلوک وغیرہ کے احوال بہت اونچے ہوتے ہیں جن کا ایسا ہونا معلوم ہو جائے اُن کے کلام کی ضرور توجیہ کی جائے گی اور جن کا حال ایسا نہ ہو اُس کے ظاہر حال پر حکم لگایا جائے گا۔ اس کو تعصب یا اپنی جماعت کی تائید کہنا غلط ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی اپنے فتاوی میں کئی جگہ اس سے بحث کی ہے۔ فتاوی ۱۱/۳۸ پر لکھا ہے کہ اگر اکابر شیوخ سے کوئی ایسی بات سنی جائے جو بظاہر شریعت کے خلاف ہو، تو اکثر تو اُن میں سے جھوٹی روایتیں ہوتی ہیں جو باطل لوگ اُن کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، اور جو بعض باتوں کی نسبت اُن کی طرف صحیح ہے تو ان کے صحیح جو معنی ہو سکتے ہیں وہی کرنے چاہئیں۔ بہت طویل مضمون امام ابن تیمیہؒ نے مختلف جگہوں پر لکھا ہے کہ اکابر کے کلام کی تاویل کرنی چاہیئے۔ اور خود بھی انہوں نے بہت سے مشائخ کے کلام کی تاویل کی ہے۔ بالخصوص شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی تو اکثر تاویل کرتے ہیں جس کی کچھ مثالیں پہلے گذر چکی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ اپنے اکابر کے اقوال کی جو تاویل کرتے ہیں وہ بھی اسی بنا پر کہ اُن کا اتباع سنت اور تقویٰ و تدین اور شریعت کی پابندی مشہور و معروف ہے۔ یہاں تک کہ اغیار بھی اس کو مانتے ہیں۔

ہے الخ {حیاۃ الصحابہ صفحہ ۳۹۶/۲}

اسی طرح جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو حمد و ثناء کے بعد فرمایا کہ اے لوگو! مجھے تمہارا امیر بنایا گیا ہے، حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں لیکن قرآن اور سُنّت نے ہمیں یہی بتایا ہے کہ سب سے بڑی عقلمندی تقوٰی ہے اور سب سے زیادہ بے وقوفی فجور ہے۔ قرآن پاک اور احادیث میں لاتعد ولاتحصیٰ تقوٰی کی تاکید ہے۔ اور اس بارے میں بھی میرے اکابر کا مقابلہ کوئی جماعت، کوئی فرد نہیں کر سکتا۔ بہت کثرت سے واقعات ہیں ان کا احصار نہ ہو سکتا ہے نہ مقصود ہے۔ میرے اکابر کے بارے میں جس نے یہ اشعار کہے بہت مناسب کہے، مجھے بہت ہی پسند ہیں۔ میری ہر تصنیف میں ان کا ذکر آتا ہے ؎

خدا یاد آوے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پُتلے
نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظلِّ رحمانی

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہیں کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی

انہیں کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے
انہیں کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی

رہیں دُنیا میں اور دُنیا سے بالکل بے تعلق ہوں
پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں کو لگے پانی

آپ بیتی نمبر ۶ میں بہت سے واقعات ذکر کئے گئے ہیں۔ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کا تقوٰی بہت ضرب المثل ہے۔ طالب علمی کے زمانہ میں

مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

دہلی میں کبھی روٹی سالن سے نہیں کھائی، اس لئے کہ دہلی کے سالن میں اچور پڑتا تھا اور آموں کی بیع ہر جگہ ناجائز ہوتی ہے قبل از وقت ہونے کی وجہ سے۔ اور یہ تو بہت مشہور واقعہ تھا کہ حضرتؒ کا معدہ کسی مشتبہ چیز کو قبول نہیں کرتا تھا، فوراً قے ہو جاتی تھی۔ اس لئے حضرت کی دعوت کرتے وقت ہر شخص گھبراتا تھا کہ کہیں فضیحت نہ ہو جائے۔ گھر کے لوگ بھی بہت احتیاط کرتے تھے۔

ایک مرتبہ مولوی نور الحسن کاندھلوی کے پاس تشریف لے گئے، جو عزیز تھے۔ انہوں نے کچھ دام اپنے صاحبزادے مولوی ابراہیم صاحب کو دیئے کہ خود جاکر ان کا سامان کھانے کے لئے لاویں تاکہ کچھ گڑبڑ نہ ہو۔ کھانا تیار ہوا اور اس میں فیرنی بھی تھی جس کے کھاتے ہی قے ہو گئی۔ مولوی نور الحسن صاحب بہت پریشان ہوئے۔ تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ جو دودھ مولوی ابراہیم صاحب لائے تھے وہ گر گیا تھا، پھر دودھ باورچی حلوائی کے یہاں سے اُدھار میں لے آیا تھا۔

دوسرا قصہ اسی کے قریب جبکہ مولانا نور الحسن صاحب نکوڑ میں تحصیلدار تھے کہ مولانا نور الحسن صاحب نے ایک سپاہی کو بہت سمجھا بجھا کر اور یہ واضح کر کے کہ کوئی گڑبڑ نہ کیجئے ورنہ تیری اور میری دونوں کی ذلت ہوگی، یہ کہکر اُس کے ہاتھ دودھ جلیبی بازار سے منگوائی۔ اور اس کو بہت ہی بار بار سمجھا دیا تھا کہ ان ہی پیسوں کی لائیے۔ سپاہی کی عقل میں نہ آئی کہ ذلت کیوں ہوگی۔ وہ حلوائی سے دودھ جلیبی تو تحصیلدار صاحب کے مہمان کے نام سے مانگ لایا اور پیسے جیب میں رکھ لئے۔ اور دودھ جلیبی کا چمچہ نوش فرماتے ہی ایک شور مچ گیا۔ سپاہی بیچارے کی عقل ہی میں نہیں آتا تھا کہ ایسی فوری گرفت ہوگی۔

ایک مرتبہ نواب قطب الدین صاحب مؤلف مظاہر حق نے اپنے استاد

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ

میں گذرے ہیں۔ خود حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی میں بھی اس قسم کے بہت سے واقعات کثرت سے ملتے ہیں۔ "اشرف السوانح" میں لکھا ہے کہ حضرت والا کی خصوصیات خاصہ میں سے یہ ہے کہ اگر کبھی تھوڑا سا بھی مسجد کا گرم پانی وضو سے بچ جاتا ہے تو اُس کو بھی سقاوہ ہی میں جا کر ڈال آتے ہیں تاکہ مسجد کا اتنا سا مال بھی ضائع نہ ہو جائے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں، جب حضرت گنگوہیؒ نابینا ہو گئے تو میں کبھی ویسے ہی چپکے سے جا کر نہیں بیٹھا بلکہ جب گیا یہ کہدیا کہ اشرف علی آیا ہے۔ اور جب چلنے لگا تو کہدیا کہ اشرف رخصت چاہتا ہے۔ ویسے چپکے سے جا کر بیٹھنے میں تجسس سے مشابہت ہے۔ تشبہ بالمتجسس بھی تجسس ہے، آنے جانے کی اطلاع سے یہ فائدہ تھا کہ شاید کوئی بات میرے سامنے فرمانا نہ چاہیں اور حضرت فرمانے لگیں۔ ایک سفر میں کسی چھوٹے اسٹیشن پر بارش کی وجہ سے اسٹیشن ماسٹر نے حکیم الامت کو گودام میں ٹھہرا دیا جب رات ہوئی تو ریلوے کے کسی ملازم کو اُس میں لالٹین جلانے کا حکم بھی دیدیا۔ حضرت کو شبہ ہوا کہ کہیں ریلوے کمپنی کی لالٹین نہ ہو۔ لیکن اس خیال سے منع فرمانے میں بھی تامل ہوا کہ یہ ہندو ہے، دل میں کہے گا کہ اسلام میں ایسی تنگی اور سختی ہے۔ اسی کشمکش میں دل ہی دل میں دعا شروع فرمادی کہ یا اللہ آپ ہی اس سے بچائیے۔ اس کے بعد ہی بابو نے ملازم سے پکار کر کہا کہ دیکھو اسٹیشن کی نہیں ہماری لالٹین جلانا۔ حضرت نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ اسٹیشن کی لالٹین تھوڑا ہی جلنے دیتا۔ اندھیرے ہی میں بیٹھا رہتا۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے کسی خادم کے پاس حضرت حاجی صاحبؒ کی ایک تسبیح تھی جس کو انہوں نے حضرت والا کی خدمت میں پیش کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ حضرت نے دریافت فرمایا کہ کیا یہ جائز طریقہ سے ملی ہے؟ عرض کیا کہ خود حضرت حاجی صاحبؒ نے عطا فرمائی ہے۔ مزید اطمینان کے لئے پھر دریافت فرمایا کہ مرض

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

وفات میں یا اس سے پہلے عرض کیا کہ مرض وفات سے پہلے۔ تب حضرت نے اس کو قبول کیا۔ ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت سہارنپور سے کانپور تشریف لیجا رہے تھے، کچھ گنے ساتھ تھے جن کو محصول ادا کرنے کی غرض سے اسٹیشن پر تلوانا چاہا مگر کسی نے نہ تولا، بلکہ ازراہ عقیدت ریلوے کے غیر مسلم ملازمین نے بھی کہدیا کہ آپ یوں ہی لیجائیے ہم گارڈ سے کہدیں گے، حضرتؒ نے فرمایا کہ گارڈ کہاں تک جائے گا؟ کہا غازی آباد تک، فرمایا غازی آباد سے آگے کیا ہوگا؟ کہا گیا کہ یہ گارڈ دوسرے گارڈ سے کہدیگا حضرتؒ نے فرمایا کہ اور آگے کیا ہوگا؟ کہنے لگا کہ وہ کانپور تک لیجائے گا اور وہاں آپ کا سفر ختم ہو جائے گا۔ فرمایا نہیں، وہاں سفر ختم نہ ہوگا ایک اور سفر آخرت بھی ہے وہاں کیا انتظام ہوگا۔ یہ سُن کر سب دنگ رہ گئے اور بہت متاثر ہوئے۔

حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ جب کراچی سے رہا ہو کر آئے تو بنگال کونسل کے ایک ممبر نے ان سے کہا کہ ۴۰ ہزار روپئے نقد اور ڈھاکہ یونیورسٹی میں پانچ سو روپے ماہوار کی پروفیسری آپ کے لئے ہے اس کو منظور فرمالیں۔ حضرتؒ نے پوچھا کام کیا کرنا ہوگا؟ ممبر صاحب نے کہا کچھ نہیں صرف تحریکات میں خاموش رہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ جس راستہ پر لگا گئے ہیں اس سے نہیں ہٹ سکتا۔ یہ واقعہ حضرتؒ نے خود بیان فرمانے کے بعد حاضرین کو نصیحت فرمائی کہ آپ صاحبان اس کام میں لگے رہیں۔ نظر انداز نہ ہونا چاہئے کہ یہ ۱۹۲۳ء کی بات ہے، اس وقت حضرت کے لئے ملازمت کا کوئی سلسلہ نہیں تھا۔ کچھ عرصہ بعد سلہٹ تشریف لے گئے تو مشاہرہ تقریباً ڈیڑھ سو روپے تھا۔ مولانا اسمٰعیل صاحب سنبھلی جو حضرت کے خلیفہ بھی ہیں بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ٹرین میں حضرت والا فرسٹ کلاس میں سفر کر رہے تھے۔ ایک ہندو صاحب بہادر بھی اس ڈبہ میں تھے، وہ قضائے حاجت کے لئے پاخانہ میں گئے

اور فوراً واپس آگئے۔ حضرت شیخؒ نے بھانپ لیا۔ تھوڑی دیر بعد خاموشی سے اُٹھے، پاخانہ میں گئے، وہ نہایت گندہ ہو رہا تھا، وہاں سگریٹ کے ڈبے پڑے ہوئے تھے اُن سے صاف کیا، پھر واپس تشریف لے آئے، تھوڑی دیر بعد صاحب بہادر سے دریافت کیا کہ آپ پاخانہ سے کیوں واپس آگئے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ بہت گندہ ہے حضرت نے فرمایا کہ وہ تو صاف ہے ملاحظہ فرمائیے۔ صاحب بہادر بیحد متاثر ہوئے (الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر) اس ناکارہ نے ایک دفعہ حضرتؒ سے عرض کیا کہ آپ کی جلالت شان کی وجہ سے کوئی کہہ سکے یا نہ کہہ سکے مگر مدرسہ کی تنخواہ کے ساتھ یہ اسفار کی کثرت بہت سے لوگوں کو کھٹکتی ہے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے وہ شرائط نامہ جو دارالعلوم کی صدر مدرسی کے وقت قرار پایا تھا اور حضرت کی عینک کے خانہ میں ہر وقت رہتا تھا نکال کر دکھلایا اور فرمایا کہ آپ اسے پڑھ لیجئے۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس میں تو اتنی وسعت ہے کہ اس کے مقابلہ میں حضرت کے اسفار بہت کم ہوتے تھے۔ وہ وقت ہی ایسا تھا کہ دارالعلوم کی موت و حیات حضرت کی آمد پر موقوف تھی۔ کانگریسی اخبارات و رسائل جو دارالعلوم کی مخالفت میں بہت زوروں پر تھے، حضرتؒ کی آمد پر ایسے ساکت ہوئے کہ پھر کوئی مخالفت کی زوردار آواز نہ نکلی۔ البتہ بعض حضرت کے مخالفین کی طرف سے چندہ کی کمی وغیرہ کے الزامات قائم کئے گئے۔ مگر حضرتؒ نے دارالعلوم کے چندہ میں جو مساعی جمیلہ اس وقت فرمائی ہیں وہ اس ناکارہ کو خوب معلوم ہیں۔ ہر سفر میں بڑی بڑی رقمیں لیکر حضرت آتے تھے، اور دارالعلوم میں نظم اسکیم کے جلسہ کی بنیاد بھی حضرتؒ نے ہی ڈالی تھی۔ قاضی ظہور الحسن سیوہاروی راوی ہیں کہ ۱۹۲۰ء میں سیوہارہ میں جو عظیم الشان جلسہ ہوا تھا میں اس کا ناظم تھا ہندوستان کے مشہور ہندو مسلم لیڈر اور علماء نے اس میں شرکت کی تھی۔ میں نے

مدعوین کو سیکنڈ کلاس کا کرایہ اور ایک خادم کا کرایہ اور کچھ زائد خرچ بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دیا تھا۔ مولانا اس زمانہ میں کلکتہ میں مقیم تھے۔ ان کو بھی، مدعو کیا گیا تھا اور بحساب بالا منی آرڈر بھیجدیا گیا تھا۔ کلکتہ سے سیوہارہ تک میل ٹرین کا ۳۶ گھنٹے کا سفر ہے۔ مولانا بنفس نفیس تشریف لائے، کوئی خادم وغیرہ ساتھ نہ تھا۔ کیمپ آتے ہی سب سے پہلے حضرتؒ نے دریافت کیا کہ ناظم صاحب کا دفتر کہاں ہے؟ دفتر میں میرے پاس آئے اور سلام و مصافحہ کے بعد میز پر ایک پرچہ اور کچھ روپئے رکھ کر قیام گاہ تشریف لے گئے۔ پرچہ کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ مولانا نے تھرڈ کلاس میں سفر کیا ہے اور ناشتہ وغیرہ میں صرف سات آنے خرچ کئے۔ کسی لیڈر کسی عالم نے ایسی کفایت شعاری کا عمل نہیں کیا۔ جب واپسی کا دن آیا تو ممبران جلسہ نے طے کیا کہ مولانا کو سو روپے رخصانہ میں پیش کئے جائیں۔ جب میں نے اس قرارداد کے موافق رقم پیش کی تو مولانا نے فرمایا کہ جو پرچہ میں نے آپ کو دیا تھا کیا وہ گم ہو گیا؟ میں نے کہا موجود کر شامل حساب ہے۔ تو فرمایا کیا آپ نے اُسے دیکھا نہیں؟ میں نے کہا میں نے اُس کو دیکھا ہے اور رجسٹر حساب میں اس کا اندراج کرایا ہے۔ فرمایا بس مجھے اُسی قدر دے دیجئے۔ میں نے عرض کیا کمیٹی نے جو تجویز کیا ہے میں وہ پیش کر رہا ہوں اور آپ کو بھی کمیٹی کی تجویز کو قبول کرنا چاہیئے۔ فرمایا کمیٹی میں کتنے ممبر ہیں؟ میں نے کہا ہم سات آدمی ہیں۔ فرمایا اس جلسہ پر جو روپیہ خرچ ہو رہا ہے وہ آپ ہی صاحبوں کا ہے یا چندہ عام سے ہے؟ میں نے کہا عام چندہ ہے۔ فرمایا پھر آپ کو اس طرح صرف کرنے کا حق نہیں ہے۔ میں نے کہا پبلک نے ہم کو اختیار دیا ہے۔ کہنے لگے کہ پبلک نے آپ کو یہ سمجھ کر اختیار دیا ہے کہ آپ کفایت شعاری کے ساتھ واجبی طور پر خرچ کریں گے۔ آپ اس بے دردی سے خرچ کرنے کے مجاز و مختار نہیں ہیں۔ میں نے

یہ کھا اور کج بحثی کی، آخر فرمایا کہ میں اس سے زیادہ نہیں لوں گا۔ (الحمد شیخ الاسلام نمبر)

حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ کے ساتھ پنجاب کے سفر میں بہت بڑا مجمع ہو جاتا تھا۔ بہت دفعہ اس کی نوبت آئی کہ تشریف لیجانے سے پہلے حضرت نے فرمادیا کہ میں فلانے کا مدعو ہوں اور اس سے زائد پانچ آدمی میرے ساتھ ہوں گے اس سے زائد جو ہوں وہ اپنے قیام وطعام کا انتظام کرلیں۔ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری نور اللہ مرقدہٗ کو ڈاکٹر برکت علی نے کچھ دنوں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں رہنے کو کہدیا تھا۔ حضرت کے وہاں قیام کی وجہ سے اس دوران میں بہت چندہ بھی ہوا۔ حضرت نے اپنے اس چند روزہ قیام کی وجہ سے چندہ کے نام سے بہت بڑا کرایہ ادا کیا۔ ہر چند حضرت کو منع کیا گیا کہ حضرت کا قیام مدرسہ کی ضروریات میں داخل ہے، حضرت کے یہاں قیام کی وجہ سے مدرسہ کو بھی بہت نفع ہے، مگر حضرت نے منظور نہیں فرمایا۔ خود بھی چندہ کے نام سے کرایہ ادا کیا اور حضرت کے قیام کی وجہ سے جو مہمان پنجاب وغیرہ سے آتے تھے ان سے بھی خاص طور سے تاکید کر کے چندہ دلوایا کہ ان لوگوں کا قیام بھی مدرسہ میں ہوتا تھا۔ خاص طور سے پاکستان سے آنیوالے مہمانوں سے بھی چندہ دلوایا۔ اسی طرح رائپور خانقاہ میں اعلیٰحضرت کی کوٹھی چونکہ مدرسہ میں وقف تھی اسلئے اس کا کرایہ بھی حضرت چپکے چپکے چندہ کے نام سے ادا کرتے رہتے تھے۔ نہایت عجلت میں نہایت بیماری میں جو واقعات یاد آگئے یا سہولت سے ملے لکھوا دیئے جو مشتے نمونہ از خروارے بھی نہیں ہیں۔ مقصد اس تحریر سے یہ تھا کہ ہر شخص پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ مفتیوں کے ذمہ ہے کہ وہ ظاہر الفاظ پر فتویٰ دیں لیکن جب انہیں حقیقت حال معلوم ہو جائے تو انہیں اپنے فتویٰ کی تاویل کرنے میں ذرا بھی اشکال نہیں ہونا چاہیے بلکہ تاویل کرنی لازم ہے کما تو فیق اللہ۔

اولٰئک آبائی فجئنی بمثلھم ۔۔۔ اذا جمعتنا یا جریر المجامع

یا تنگ نہ کر مجھے ناصح ناداں اتنا ۔۔۔ یا لاکے دکھادے دہن ایسا کمر ایسی

فقط والسلام، زکریا